

خوشی سے ذوقِ قاریں کے لیے

ایکے شمارے کے خاصے کہانے
ایکے آدمی کے کہانے، وہ ہم سب کا ہم قبیلتے ہم شہارتھا
مگر اسے جینے سے تھریر نامے ایک حقیقت جنوں
فسانہ کا میل گیا تھا۔ بہ قول بے خود
مجنوں کا کوئی دوست فسانہ نگار تھا



ترجمہ عالیہ لودھنہ

سیاہ تیل میں لتھڑے ہوئے ہاتھوں سے آنکھوں انجن رواں
رکھے ہوئے تھے، انجنوں کے شور میں وہ ایک دوسرے
سے بلند آواز میں کہہ رہے تھے۔ ”دیکھ لینا کمانڈر والٹر ہمیں
معصیت سے نکال لے گا، ہر بار کی طرح اس بار بھی صاف
نکال لے گا۔“

”والٹر! آہستہ چلاؤ، اُس کی بیوی چیخی۔ اتنی تیز ڈرنگ
کیوں کرتے ہو؟ حادثے اسی طرح ہوتے ہیں۔“
”کیا؟“ والٹر بے خیالی سے چونکا، اُس نے رفتار کم کی
اور ساتھ بیٹھی ہوئی اپنی بیوی کو حیرت سے دیکھا، وہ اُسے
کوئی اجنبی عورت لگی۔

”تمہاری رفتار ساٹھ میل فی گھنٹہ ہو گئی تھی، اُس
کی بیوی نے بتایا۔ اور تم چلتے ہو، میں چالیس میل سے
زیادہ کی رفتار پسند نہیں کرتی۔“

والٹر نے کار اور آہستہ کر کے خاموشی سے سڑک پر
نظریں جمادیں۔ وہ بحری جہاز، وہ قیامت خیز طوفان،
وہ آٹھ انجنوں کی ہول ناک گھن گرج۔ یہ سارا منظر کھینچ
غائب ہو گیا۔ اب وہ سمندر کے بجائے سڑک پر تھار دوڑوں
جانب لنگر کی بلند و بالا عمارتیں نظر آرہی تھیں۔ والٹر
اُس کی بیوی نے کہا۔ ”آج تم پھر پریشان نظر آ رہے ہو،
معلوم ہوتا ہے، آج پھر تمہیں غائب دماغی کا دورہ پڑا
ہے۔ آخر تم ڈاکٹر این شا سے علاج شروع کیوں نہیں کرتے؟
والٹر نے ایک عمارت کے سامنے گاڑی روک دی۔
عمارت کی دوسری منزل پر بیوٹی پارک تھا، یہاں اُس کی
بیوی اصلاح گیسو کے لیے آتی تھی۔ کار میں بیٹھے بیٹھے اُس
کی بیوی نے تاکید کی۔ ”میں جتنی دیر بال ترشواؤں، اتنی دیر
میں تم ساری چیزیں خرید لینا۔ سب چیزیں یاد ہیں نا؟ اور
ہاں، جو تے ضرور خریدنا، لانگ ٹوڑ۔“

”پوری قوت سے چلاؤ۔“ کمانڈر نے گرج کے حکم
دیا۔ ”انجن پوری قوت سے چلاؤ۔“ بحریہ کی سفید ٹوپی نے
اُس کی پیشانی ڈھانپ رکھی تھی۔ پریشان کن اور نازک
صورتِ حال کے باوجود کمانڈر والٹر کے چہرے پر اعتماد
اور سکون تھا۔

”سر، ہم گزر نہیں سکیں گے۔“ اُس کے ماتحت نے آدب
سے کہا۔ ”ہوا مخالف ہے اور سمندر سرکشی پر آمادہ ہے۔“
”میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا ہے لیفٹیننٹ!“
والٹر نے سر جھٹک کے ہدایت دی۔ ”آنکھوں انجن استعمال کرنا
شروع کر دو۔“

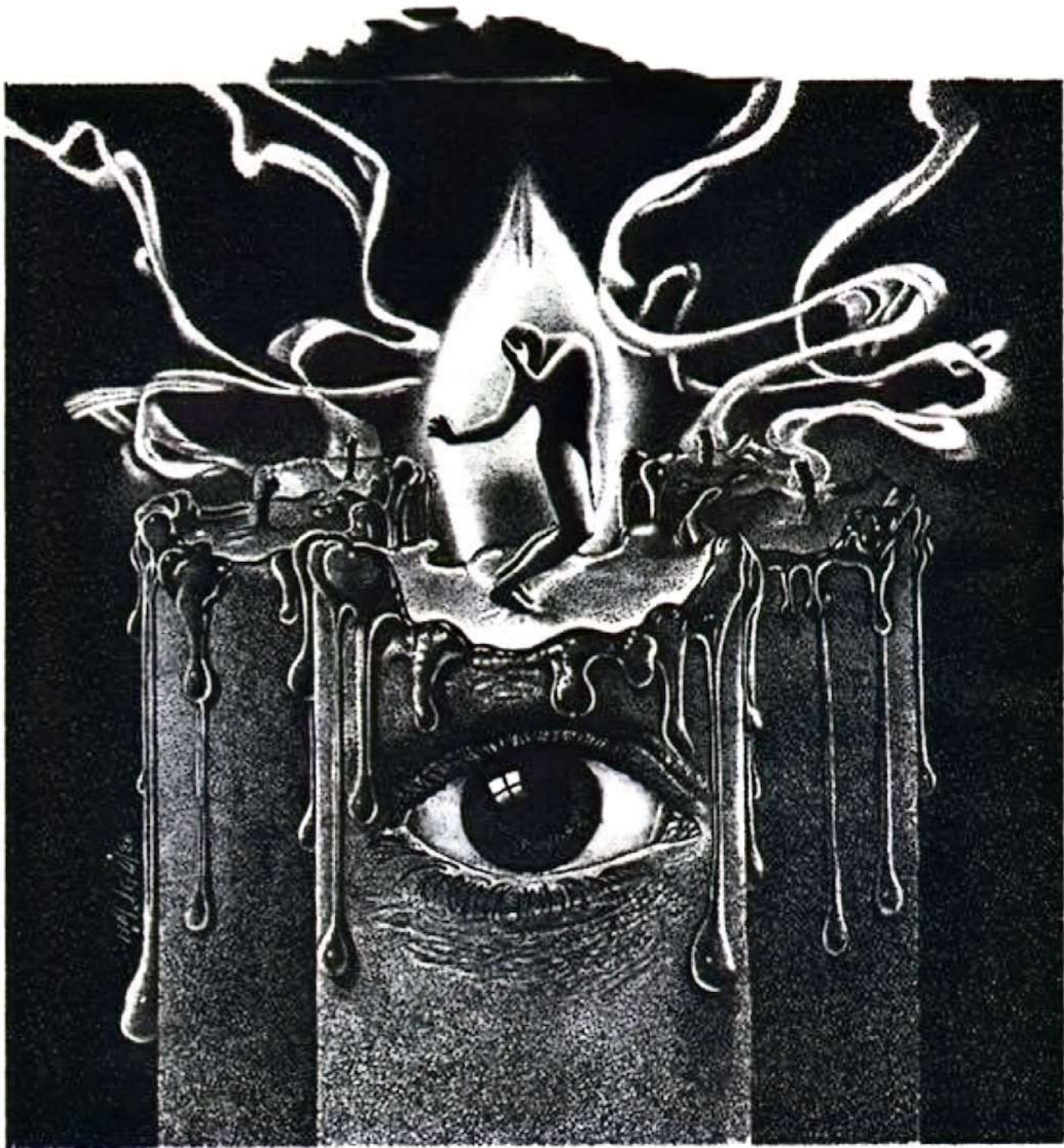
لیفٹیننٹ نے کمانڈر کے احکام مانکر دفون میں ڈہرائے
”آنکھوں انجن اسٹارٹ۔۔۔“

کمانڈر والٹر نے مانکر دفون میں ڈہرایا۔ ”تیسرا اور
پانچواں انجن دھیما رکھو۔“

لیفٹیننٹ نے مانکر دفون میں ڈہرایا۔ ”تیسرا اور پانچواں
انجن دھیما۔“

جہاز کے انجنوں کا شور سمندر کے شور پر غالب آ گیا۔
کمانڈر کی نظریں کھڑکی سے باہر جمی ہوئی تھیں، شوریدہ سر
سمندر دشمنی پر آمادہ نظر آرہا تھا۔ کمانڈر مسکرایا، پھر اُس
نے زور سے کہا۔ ”پہلا اور آنکھوں انجن جھٹکے سے آگے بڑھاؤ۔
مانکر دفون کے ذریعے اُس کا حکم انجن روم میں گونج
گیا۔ ماتحت عملہ اپنے کمانڈر کے پُر عزم لہجے پر بہت خوش تھا۔
”شیر جاگ گیا ہے۔“ ایک ادھیڑ آدمی لیور گھماتے ہوئے چلتا۔
”وہ ہمیشہ کی طرح پھر پریشانی میں ہیں بچلے آگیا ہے۔“

جہاز آگے بڑھ رہا تھا۔ انجن روم میں ہنگامہ برپا تھا۔
کمانڈر والٹر کے احکام پر عمل درآمد کے لیے پورا عملہ متعہ
تھا۔ مختلف لوگ مختلف کاموں میں مصروف تھے اور گاڑے



”مگر مجھے لانگ شوذ کی ضرورت نہیں ہے“ والٹر
نے کہا۔
اُس کی بیوی نے پھوٹے سے آئینے میں اپنا میک اپ
درست کرتے ہوئے کہا: ”دیکھو۔ اس موضوع پر ہم بحث کر
چکے ہیں۔ بات سمجھا کر، اب تم لڑکے نہیں رہے ہو“ آئینہ
پرس میں رکھ کے وہ نیچے اتر گئی۔ نیچے اترتے ہی اُسے جیسے
کچھ یاد آگیا، وہ کار کی کھڑکی میں جھانک کر بولی: ”تم دستلے
کیوں نہیں پہنتے؟ دستلے کھو گئے ہیں کیا؟“
والٹر نے اوپر کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر دستلے
نکالے اور پہن لیے۔
اُس کی بیوی اپنی مخصوص پُر دقار چال سے عمارت میں

داخل ہو گئی۔ والٹر نے دستلے ایک جھٹکے سے اتار کے پھر
جیب میں ڈال لیے۔
اُسے معلوم تھا کہ اُس کی بیوی کی واپسی میں ایک ڈیڑھ
گھنٹہ لگے گا۔ کچھ دیر تک وہ کار میں ادھر ادھر گھومتا رہا۔
پھر پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھ گیا۔ تیسری سڑک سے بائیں
جانب مڑتے ہوئے اُس کی نظر اسپتال کی بلند و بالا عمارت پر
پڑی۔ کار اسپتال کے سامنے سے گزری تو والٹر نے اگلے
میں ایک ایمبولینس دیکھی۔ وہ پارکنگ لاٹ کی طرف مڑ گیا۔

◆ حین و جمیل نرس ایک ادلے مسکرائی اور سرجن والٹر
کے قریب ہو کے سرگوشی میں بولی: ”آپریشن تھیر میں وہ لربتی

اُس کی بیوی اپنی مخصوص پُر دقار چال سے عمارت میں

جیمس تھریئر، ۸ دسمبر ۱۸۹۴ء، کولبس اوماہیو، ڈرائنگ، اکھری ہڈی، امریکہ کے ایک شگوفہ کار، شوشہ طراز، ایک طباع اور طنز اذیب، صبحانی اور مصور۔ ۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۸ء تک اوپائیونی ورستی میں تعلیمی سلسلہ، بچپن کے کسی حباد نے مین ایک آنک سے محرومی اور حوصلے، استقامت کی ایک مثال۔

پہلی بڑی جنگ کے دوران یونیورسٹی کی فوجی تربیت میں جیمس تھریئر نے جوش و خروش سے حصہ لیا اور مشقتیں برداشت کیں مگر ایک چشمہ کی معدوری فوجی زندگی میں رخنہ انداز ہو گئی۔ یادداشت کمال کی تھی۔ جزر می اور نکستہ منجی کی قدر کو بیٹائی سے یوں بھی کوئی نسبت نہیں ہے۔ پیرس اور واشنگٹن کے اسٹیڈ پارٹس میں ۲۰: ۱۹۱۸ء تک کوڈ کلرک کی حیثیت سے دشمن کے خفیہ پیغامات کی تشریح اور خود اپنے فوجیوں کو مزید علامتوں میں پیغامات کی ترسیل کے فرائض انجام دیتے رہے پھر ان کا جی اس کام سے اکتا گیا نیا یوں کہیے تھریئر کو اپنا عرفان ہوا کہ وہ تو ایک قلم کار، ایک خیال کار ہیں اور ان کا ترکش تو خود ان سے چھپا ہوا ہے۔ اپنے شہر کولبس واپس آئے انھوں نے جریدہ ڈسپچ کے لیے لکھنا شروع کر دیا۔ ۱۹۲۳ء میں دوبارہ پیرس جانا ہوا اور روزنامہ شکاگو ہیرالڈ ٹریبیون نے انھیں وہاں روک لیا۔ تخلیق اور اضطراب میں کوئی قدر مشترک ہے۔ پیرس کی سکونت ترک کر کے جلد ہی تھریئر وطن لوٹ آئے۔ اب کے عروم البلاد نیویارک کو مستقر بنایا اور اخبار ایوننگ پوسٹ میں خاکے لکھنے، خاکے بنانے بلکہ اڑانے لگے۔ لفظوں کے ساتھ لکیروں میں بھی بہت تیکہ پین تھا۔ طنز اور شوخی سے لب ریز لکیریں، روشنائی اور قلم سے بہت حقیقی، بڑی زہریلی اور چٹکیلی قصوئیں تراشنے کا فن خوب آچکا تھا۔ ملک کے کئی اخباروں اور رسالوں کو مرغوب و مطلوب ہوئے۔ ۱۹۲۶ء میں تھریئر ڈی نیویارک سے وابستہ ہو گئے اور پھر کسی اور جریدے کا رخ نہیں کیا۔ رسالے کی ترقی کے پہلو بہ پہلو تھریئر کا اقبال بھی بام پر آیا۔ ان کے نفسیاتی اور تجزیاتی طنز پر مشتمل مضامین اور خاکے، ڈراما نگار اور تحریریں کتبائی صورت میں شائع ہونے لگیں تو ان کے فن اور شخصیت کے خال اور خد کچھ اور ابھر کے آئے۔

تھریئر کے ناقد کہتے ہیں کہ تھریئر کو ایک رات میں شہرت کی دولت حاصل نہیں ہوئی۔ اپنا نقش بنانے میں انھیں نہایت صبر و زماں رکھوں سے گزرنا پڑا ہے۔ شروع

موجود ہے ویلنگٹن۔ اس کا کوئی آپریشن ہو رہا ہے؟
 ”خوب“ سرجن والٹر نے دتائے اتارتے ہوئے کہا۔
 ”کون کر رہا ہے آپریشن؟“
 ”ڈاکٹر بین اور ڈاکٹر نیو کاسل“ نرس نے مطلع کیا۔
 ماہر بھی بلائے گئے ہیں۔ لندن سے ڈاکٹر ہنری آئے ہیں اور ابھی تھوڑی دیر پہلے نیویارک سے ڈاکٹر مشور ڈینچے ہیں۔
 دور راہ داری میں ایک دروازہ کھلا۔ ڈاکٹر نیو کاسل باہر نکلا۔ اس کے چہرے پر تھکن اور آنکھوں میں پریشانی تھی۔
 اس نے ان کے پاس آکر کہا: ”ہیلو والٹر! آج صبح اٹھ کر نہ جانے کس منہوس کا چہرہ دیکھا تھا۔ اندر اس ارب پتی منہ کا۔
 ویلنگٹن کا آپریشن جاری ہے۔ عجیب مصیبت ہے وہ صدر روز ویلٹ کا ذاتی دوست ہے۔ دوبارہ ایوان صدر سے فون

آچکا ہے۔ یہ رسوخ والے دولت مند سمجھتے ہیں کہ سرجری بچوں کا کھیل ہے۔“ سرجن والٹر مسکرایا۔ ڈاکٹر نیو کاسل نے کہا۔
 ”والٹر! ذرا تم اس کے دیکھ لو، مہربانی ہوگی مجھے تو اس کی حالت ابھی معلوم نہیں ہوتی۔“
 ”چلو“ سرجن والٹر فوراً آمادہ ہو گیا۔
 آپریشن تھیٹر میں دوسرے ڈاکٹروں نے سرجن والٹر سے ہاتھ ملائے اور تعارف کی رسم ادا ہوئی۔ ڈاکٹر مشور نے کہا: ”سرجن! میں نے آپ کی وہ کتاب پڑھی ہے سرجری کے جدید طریقے۔ شان دار کتاب ہے۔“
 ”شکریہ“ سرجن والٹر نے انکار سے سر جھکایا۔
 معاً مریض کے سر چلنے لگی ہوئی ایک بڑی مشین سے کھٹا کھٹ کھٹا کھٹ کی آواز آنے لگی۔ مشین مختلف ٹیوپوں

کارمانہ قلم صیقل کرنے کا تھا۔ رفتہ رفتہ ان کے لفظوں میں رمزیت اور لکیریوں میں تیزی و تندی آتی گئی۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ بہت پٹھونک پٹھونک کے قلم اٹھاتے تھے اور لکھنے یا کوئی اسکینچ بنانے کے بعد مینا کاری کرنے لگتے تھے مسلسل تراش خراش، آخر آخر تک نوک پلکے کا خیال۔ تب کہیں کوئی تحریر کوئی خاکہ خود سے جدا کرتے۔

۱۹۵۳ء میں ربع صدی پر پہلے ہوئے نوع بہ نوع تخلیقی کام پر اوصافِ شیو یونیورسٹی کی جانب سے انہیں اعلا سترین اعزاز سے نوازا گیا، اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے تھربر نے کہا تھا کہ مزاح اور طنز سے حقائق زیادہ نمایاں ہو کے سامنے آتے ہیں اور قلم کار کے لیے لازم ہے کہ اسے اپنے موضوع کا کلتی ادراک اور موضوع کے پس منظر سے منسوب، سماج کا گہرا شعور ہو۔ اس تقریب میں تھربر نے کہا کہ امریکی بنیادی حقوق کے قانون کا مقصد انسانی حقوق کی پاس داری ہے۔ یہ قانون کسی قلعے کی حیثیت رکھتا ہے یا عبادت گاہ کی، نہ کہ کمپن گاہ کی۔ آخری دنوں میں جنس تھربر کی دوسری آنکھ بھی ضائع ہو گئی، لیکن قلم کشی و جان کا بھی کاشغل آخری سانسوں تک جاری رہا۔ ۱۹۶۱ء میں تھربر کی دونوں بے نور آنکھیں ہمیشہ کے لیے معدوم ہو گئیں

اس بار خاص کہانی کے ان صفحات میں انہی صاحبِ طرز، صاحبِ فکر جیسے تھربر کی تحریر متاع کی جباری ہے۔ ”دی سیکریٹ لائف آف والٹر ڈیسی“ ان کی شہرہ آفاق کہانی ہے۔ دنیا کی بہترین کہانیوں کے بجائے کتنے مجموعوں میں اسے شامل کیا جا چکا ہے۔ بعض معتبر ناقدوں کی رائے میں ”ایسی تحریریں بہت انتظار کے بعد کہیں نمودار ہوتی ہیں۔ انگریزی فحارے میں پہلے ذہری زندگی گزارنے والے کوڈاکٹر جیکال اور مسٹر ہائیڈ سے تشبیہ دی جاتی تھی۔ اب والٹر ڈیسی کا نام آتا ہے۔ یہ صنعتی عہد کے ایک شخص کی داستان ہے اور دیکھیے، کس کی، ہم میں سے کس کی آپ بیتی ہے۔ ۱۹۳۲ء میں تھربر نے یہ کہانی لکھی تھی۔ نصف صدی گزرنے کے بعد بھی اس کے ناشرین کوئی شکن نہ پڑ سکی۔ یہ مقولہ آپ نے سنا ہو گا کہ ان کاغذوں کو کرم و گرد سے حلاقہ نہیں ہوتا جن پر منچ کندہ ہوتے ہیں۔

اور حرکت کر رہے تھے۔ ”کسی کے پاس بال پین ہے؟“ سرجن نے پوچھا۔ ”بال پین؟“ ڈاکٹر مفورڈ کو حیرت ہوئی۔

”ہاں بھی! بال پین“

ایک جونیئر ڈاکٹر نے اپنی جیب سے بال پین نکال کے سرجن کو دیا۔ سرجن نے مشین کے پیچیدہ تاروں کے درمیان چلنے والا ایک مہین ساپٹن مشاقی سے نکالا اور اس کی جگہ بال پین لگا دیا۔ پلاسٹک کا بال پین پٹن ہی کی طرح تیزی سے چلنے لگا۔ ”یہ دس پندرہ منٹ تک مشین چلتا رہے گا“ سرجن نے اعتماد سے کہا۔ سب ڈاکٹر بھی اُسے کبھی ٹھیک ہو جانے والی مشین کو دیکھ رہے تھے۔

”حضرات!“ سرجن والٹر نے انہیں باخبر کیا۔ آپریشن شروع کیجیے“

ڈاکٹر گویا ہڑبڑا کے ہوش میں آگئے۔ ڈاکٹر مفورڈ اور

اور تاروں کے ذریعے مریض سے منسلک تھی۔ اُس کے جسم سے برآمد ہونے والی آواز ایک خاص طرز کی کھٹکھٹ کھٹکھٹ میں تبدیل ہو رہی تھی جیسے کوئی ریل پوری رفتار سے چل رہی ہو۔ ایک نرس گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”یہ کیا ہو گیا؟ یہ سپورٹ مشین تو بالکل نئی تھی“

ایک جونیئر ڈاکٹر نے مشین کے ڈائل پر نظر میں جائے جملے چند ثن دہائے پھر آہستہ سے کہا۔ ”معلوم کیا ہو گیا ہے؟“ موٹر ٹھیک سے کام نہیں کر رہی۔

”ہٹنا ذرا“ سرجن والٹر مشین کی طرف بڑھا۔ آپریشن تھیر کے سائلے میں صرف مشین کی کھٹکھٹ سناؤ دے رہی تھی۔ سرجن والٹر نے ایک جھٹکے سے مشین کے نچلے حصے کا ایک پینل کھول دیا۔ نہایت باریک تار ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہے تھے اور چھوٹے چھوٹے پٹن اوپر سے نیچے نیچے سے

سب بنگ

ڈاکٹر بین فوراً مریض پر جھک گئے۔ اُن کی انگلیاں مہارت سے چلنے لگیں۔

کچھ دیر بعد مریض کی حالت بتلنے والی مشینوں کے چمک دار پردے پر گراف، لکیریوں اور رنگ برنگے تیر نمودار ہونے لگے۔ مریض کی حالت تیزی سے بگڑ رہی تھی۔ سویاں خطرے کا نشان چھوڑ رہی تھیں۔ ڈاکٹر نیو کاسل پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ مجھے کچھ گڑبڑ لگتی ہے۔ دل نے تین چار منٹ میں خون پمپ کرنا شروع نہ کیا تو کھیل بگڑ جائے گا۔

”سرجن والٹر!“ ڈاکٹر ہنری نے درخواست کی۔ میرا خیال ہے آپ سنبھال لیجیے۔

والٹر نے ایک نظر نامور ماہرین پر ڈالی، وہ پریشانی اور خوف سے زرد ہو رہے تھے۔ والٹر نے آپریشن ٹیبل پر لیٹے ہوئے ارب پتی کو دیکھا، وہ صدر امریکا کا ذاتی دوت تھا مگر اپنی امارت اپنے بے پناہ اثر اور طاقت کے باوجود زندگی کی بازی ہارتا جا رہا تھا۔ والٹر نے ایک عزم کے ساتھ کہا: ”ٹھیک ہے۔“

عملے نے پھرتی سے اُسے سفید کوٹ پہنا دیا اور تسلے فراہم کر دیے۔ دیکھتے دیکھتے اُس کا منہ سفید نقاب کے پیچھے چھپ گیا اور وہ مریض پر جھک کے موت کے خلاف نبرد آزما ہو گیا۔

● ”سنبھل کے سنبھل کے“ کسی راہ گیر نے خبردار کیا۔ پیچھے والی کالی مریدیز سے ٹکرامت جانا۔ والٹر نے ایک جھٹکے کے بریک لگائے۔

پارکنگ لاٹ کے کارکن نے اُس کے نزدیک آکر کہا۔ ”غلط قطار میں پارکنگ سے باقی گاڑیاں نہیں نکل سکیں گی۔“ والٹر نے مڑ کے دیکھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہاں سے گاڑی درست قطار میں کیسے لے جائے۔ پارکنگ لاٹ کے کارکن نے اُس کی پریشانی بھانپ لی، وہ ہنسنا چاہی مجھے دیکھیے جناب! میں گاڑی صحیح جگہ پارک کیے دیتا ہوں۔ والٹر نے کار سے اتر کے چابیاں اُس کے حوالے کر دیں۔ وہ ایک تجربہ کار ڈرائیور کی طرح کار قطاروں کے درمیان گھماتا ہوا لے گیا جیسے کھلونا چلا رہا ہو۔

والٹر نے ڈپارٹمنٹل اسٹور کی طرف جلتے ہوئے سوچا۔ پارکنگ لاٹ کے کارکن خود کو نہ جلنے کیا سمجھتے ہیں صرف

ڈرائونگ میں مہارت کے باعث اپنے آپ کو دنیا کا قابل ترین شخص سمجھنا کیسی احمقانہ بات ہے۔ ایک دم اُسے لانگ شوڈ یاد آ گئے۔ اُس کی بیوی نے تاکید سے لانگ شوڈ خریدنے کو کہا تھا۔ وہ اسٹور میں داخل ہو گیا۔

پانچ منٹ بعد وہ باہر آیا تو جوتوں کا ڈبّا اُس کے پہلو میں تھا۔ وہ مطمئن تھا مگر جلد ہی اُس کی پریشانی پھر دھاری دار ہو گئی۔ اُس کی بیوی نے گھر سے چلتے وقت کچھ اور خریدنے کے لیے بھی کہا تھا۔ کیا چیز تھی وہ؟ اُس نے کہا تھا کہ دیکھو، فلاں چیز خریدنا نہ بھولنا مگر وہ فلاں چیز تھی کیا؟ کیا نام ہے اُس کا؟ وہ سوچتا رہا۔ جوتے تو خرید لیے۔ اور کیا خریدنا تھا؟ پالش؟ برش؟ ٹوٹھ برش؟ بلیڈ؟ اشیا کے نام اور نمونے قطار در قطار اُس کے تصور سے گزرنے لگے۔ اخبار نیچنے والا ایک لڑکا دوپہر کے اخبارات اٹھائے اُس کے سامنے سے گزرا۔ وہ بلند آواز میں اعلان کر رہا تھا۔ آج کی تازہ خبر ریاست کے سب سے سستی خیز مقدمے کی تازہ کارروائی! والٹر نے سر جھٹک کے پھر سوچنا شروع کر دیا۔ آخر کیا چیز رہ گئی ہے؟

✱ سرکاری وکیل نے سیاہ ریلواریں گواہوں کے کھڑے میں کھڑے ہوئے شخص کے سامنے رکھ دیا۔ اسے دیکھو۔ شاید تمہیں کچھ یاد آجائے۔ پہچانتے ہو اسے؟

کھڑے میں کھڑے ہوئے والٹر نے اپنا کاڈ بوائے ہیٹ پیچھے کھسکایا اور ریلواریں پر ایک نظر ڈالی۔ ”ہاں، یہ میرا دیپے وکرز ریلواریں ہے۔ فائو زیر وایت زیر و۔“

عدالت میں دہی دہی سرگوشیاں اُبھریں۔ ”آرڈر۔ آرڈر۔“ جج نے لکڑی کا ہتھوڑا تختے پر بجایا۔ عدالت پرستانا چھا گیا۔ وکیل سرکار نے مزم کو کینہ توڑ نظروں سے گھورتے ہوئے کہا: ”میں نے سلبے تم ہر طرح کے ہتھیاروں کے باہر ہو؟ خاص طور پر تم ریلواریں انگلیوں پر گھمانے اور چھوٹے موٹے بد معاشوں کو کھڑے کھڑے ہلاک کر دینے کے ایکسپرٹ سمجھے جلتے ہو؟“

”مجھے اعتراض ہے یور آنر!“ وکیل صفائی اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ یہ میرے موکل کی کردار کشی کے مترادف ہے۔ یہ ثبوت پیش کیا جا چکا ہے کہ ۱۲ جولائی کی رات کو میرے معزز موکل کا دایاں ہاتھ زخمی تھا اور گردن میں بندی ہوئی ایک پتی سبب

سے لٹکا ہوا تھا۔ ایسی صورت میں۔۔۔“

”دکیل صاحب! غلط بیانی سے کام نہ لیجیے“ والٹر نے اپنا ہاتھ بلند کیا۔ ہر شخص کی نظریں اُس کے چہرے پر جم گئیں۔ والٹر پورے اعتماد سے بولا: ”یو الوور کوئی سا بھی ہوتا۔ میں تین سو فٹ کے فاصلے سے گریگری کو اپنے ہاتھ سے بھی نشانہ بنا سکتا تھا“

مزم کے واشگاف اقبال جرم پر عدالت میں کھلبلی مچ گئی۔ لوگ زور زور سے بولنے لگے۔ سب کی آوازیں گڈمڈ ہو کے رہ گئیں۔ اچانک ایک سنوئی چیخ گونجی۔ ساتھ ہی سیاہ بالوں والی ایک حین لڑکی بھاگتی ہوئی آئی اور والٹر سے لپٹ گئی۔ دکیل سرکار نے لڑکی کو کھینچ کر والٹر سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی۔ والٹر نے قہر سے اُسے گھورا اور اُس کا ہاتھ بھلی کی طرح تیزی سے گھوم گیا۔ دکیل سرکار الٹ کر پیچھے جا کر اکتے کا بچہ: ”والٹر نے اپنا کاڈ بوائے ہیٹ سر پر جما کے لڑکی کو اپنی آغوش میں بھر لیا۔“

”کتے کا بچہ“ والٹر نے چلتے چلتے خود سے کہا اور اچانک رُک گیا۔ قدیم طرز کا کمرہ عدالت دھیرے دھیرے پُشور ٹرک میں بدل گیا اور والٹر کو وہ چیز یاد آگئی جو اُسے خریدنی تھی۔ اُسے وہ بکٹ خریدنے تھے جو خاص طور پر کتوں کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ والٹر کی بیوی دوپٹے پال رہی تھی اُن سے اُسے بہت پیار تھا۔

قریب سے گزرنے والے ایک جوڑے نے حیرت سے والٹر کو دیکھا، عورت منہ پر ہاتھ رکھ کے ہنسی اور اپنے ساتھی سے کہنے لگی: ”سناؤ رنگ! وہ آدمی خود کو کیا کہہ رہا تھا، کتے کا بچہ؟ دوڑوں بنتے ہوئے چلے گئے۔“

والٹر قریبی اسٹور سے بکٹ خرید کے نکلا تو اُس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ سب کام اطمینان بخش طریقے سے ہو چکے تھے۔ اُس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ بیوی کے آنے میں ابھی پندرہ بیس منٹ باقی تھے۔ بیوی پارلر کی عمارت میں ایک ہوٹل تھا۔ والٹر اسی ہوٹل کی لابی میں اپنی بیوی کا انتظار کرتا تھا۔ اُس کی بیوی کو یہ بہت اچھا لگتا تھا کہ وہ باہر نکلے تو والٹر اُسے اپنا منتظر ملے۔ لابی خالی تھی۔ شیشے کی دیوار کے دوسری جانب ریستوراں بھرا ہوا تھا۔ والٹر نے کھڑکی کے قریب ایک آرام دہ

سب بنگ

کرسی منتخب کی۔ سامنے میز پر پُرانے رسالے بکھرے ہوئے تھے۔ والٹر نے ویسے ہی ایک رسالہ اُٹھالیا۔ یہ ”لبرٹی“ کا پُرانا رسالہ تھا۔ ”لبرٹی“ کی ورق گردانی کرتے ہوئے اُس کی نظر ایک سرخی پر پڑی: ”کیا جرمنی اپنی فضا ئیہ سے پوری دنیا تسخیر کر سکتا ہے؟ وہ ہم بارطیاروں اور جنگ سے تباہ ہونے والے گلی کوچوں کی تصاویر دیکھتا رہا۔“

... مودب سارجنٹ نے کہا: ”سرا! مسلسل ہم باری نے آپ کے نوجوان تو بچگی کے اعصاب پر بُرا اثر ڈالا ہے۔ وہ بہت گھبرایا ہوا ہے۔“

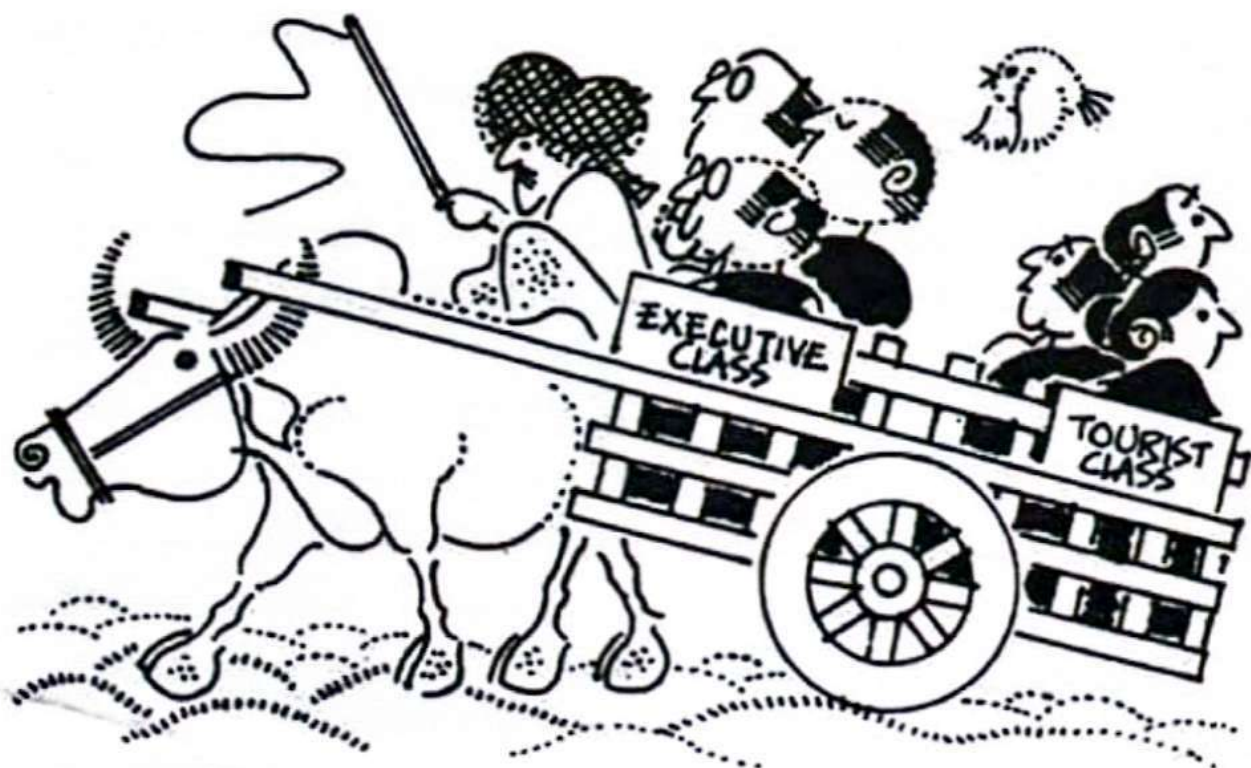
اسکوڈرن لیڈر والٹر نے اپنے بکھرے ہوئے بال ایک ہاتھ سے سنوارنے کی کوشش کی۔ اُسے آرام کرنے دو۔ میں اکیلا طیارہ لے جاؤں گا۔ اُس کے وجہ چہرے پر بے فکری تھی۔

سارجنٹ نے خوف سے اُسے دیکھا: ”نہیں سرا! ہم یاد طیارے ایک آدمی کے قابو میں نہیں آتے۔ آپ کو ایک نہ ایک آدمی ضرور ساتھ رکھنا ہو گا۔ ویسے بھی دشمن کی طیارہ شکن توپیں دو گھنٹے سے آسمان میں اندھا دھند فائرنگ کر رہی ہیں۔“ اسکوڈرن لیڈر والٹر نے اُٹھ کر دو جام بنائے اور ایک سارجنٹ کی طرف بڑھایا۔ باہر برابر دھماکے ہو رہے تھے اور بارود کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ کہیں قریب ہی گولا گرا۔ دھماکے سے پورا کیبن لرز گیا! اسکوڈرن لیڈر والٹر ہنسنا نشانہ بہتر ہوتا جا رہا ہے دشمن کا۔ سارجنٹ نے زیر لب کہا: ”ہم باری بھی تو بہت شدید ہے۔“

اسکوڈرن لیڈر والٹر نے اپنے لیے ایک اور جام بنالیا۔ آدمی کو زندگی ایک ہی بار ملتی ہے سارجنٹ! بے نا؟ ”ایک ہی گھونٹ میں جام خالی کر کے وہ مسکرایا: ”اچھا اب مجھے چلنا چاہیے دشمن کا اسلحہ ڈپو آج ہر حالت میں اُڑانا ہے۔ کچھ دیر میں یا تو میں نہیں رہوں گا یا اسلحہ ڈپو نہیں بے گا۔ اُس نے فضا ئیہ کی کیپ سر پہ رکھی اور کھڑا ہو گیا۔“

”آپ کو چالیس کلومیٹر آگے جانا ہے اور چالیس کلومیٹر واپس آنا ہے۔“ سارجنٹ جھکے ہوئے بولا: ”سوچ لیجیے یہ سفر جہنم کے سفر کی طرح ہو گا۔“

اسکوڈرن لیڈر نے بے پروائی سے کہا: ”یہ زندگی بھی تو جہنم کے سفر کی طرح ہوتی ہے۔ اچھا پیارے! الوداع“ اُس نے ہاتھ ہلایا اور اپنی زندگی کی خطرناک ترین اور فیصلہ کن پرواز



تھارا بخار دیکھوں گی۔

پر روانہ ہو گیا۔

سڑک پر ٹریفک کا ہنگامہ تھا۔ طرح طرح کی گاڑیاں اور بھاگتے دوڑتے لوگ۔ آسمان پر گہرے بادل چھائے تھے۔ پارکنگ لٹ میں اپنی کار تک پہنچنے کے لیے انھیں دو ڈھائی فلائنگ پیدل چلنا پڑا۔ کونے پر دواؤں کی دکان تھی، اُس کے قریب پہنچ کے والٹر کی بیوی نے کہا: تم یہیں بیٹھو۔ میں کچھ دوائیں لے کر آتی ہوں۔ وہ اندر چلی گئی۔

والٹر نے سگریٹ سلگالی۔ اُسی وقت پھول پڑنی شروع ہو گئی۔ وہ عمارت کی دیوار سے ٹک کر گہرے گہرے کش لیتا رہا۔۔۔

دیوار سے ٹک کے والٹر نے سامنے نظر ڈالی اور نفرت کے بھے میں کہا: آنکھوں پر پٹی باندھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

میں اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھنا چاہتا ہوں۔

اُس نے سگریٹ کا آخری کش لگا کے سگریٹ اُچھال دیا اور سینہ تان کے فائربم اسکواڈ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ پورے دس بندوقیں گولیاں اُگلنے کے لیے تیار تھیں۔ وہ اُن کے ساتھ سر اٹھا کے سیدھا کھڑا تھا۔

آخری لمحے تک وہ وہی رہا جو تھا۔ باغی والٹر پُرا سر والٹر، اصولوں پر ڈٹ جلنے والا والٹر، ناقابل شکست والٹر۔

Zegham imran

سب تک

... کسی نے اُس کا کندھا ہلایا۔ وہ چونک پڑا۔ اسے تم یہاں بیٹھے ہو؟ اُس کی بیوی کی چبھتی ہوئی آواز اُسے حقیقت کی دنیا میں لے آئی۔ میں پورے ہوٹل میں تمہیں ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔ اتنی پُرانی آرام کرسی میں پھپھپ کر بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہاں میں تمہیں کیسے تلاش کر سکتی تھی؟

”وقت گزرتا جاتا ہے“ والٹر نے غیر واضح آواز میں کہا۔ وہ جنگ اور کین، سب دھویں کی طرح اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

”کیا؟“ اُس کی بیوی نے پوچھا۔ یہ بتاؤ، بسکٹ خریدے یا نہیں؟

”ہاں“ والٹر نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

”اور جوتے؟ لانگ شوز؟“

”ہاں“ والٹر کھڑا ہو گیا۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ شیشے کے دروازے سے باہر آ گئے۔ چلتے چلتے والٹر بولا: میں سوچ رہا تھا، کبھی تمہیں خیال آتا ہے کہ... کہ میں کچھ سوچ رہا ہوں؟

اُس کی بیوی نے چونک کر اُسے دیکھا اور ایک لمحے کی خاموشی کے بعد بولی: آج مجھے تمہاری طبیعت پھر کچھ گڑبڑ محسوس ہو رہی ہے۔ گھر پہنچ کے یاد دلانا۔ میں تمہارا میٹرے